حکمتِ اقبال (۴۸)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

خودی اور فلسفۂ سیاست (۵)

اقبال کا سیاسی مسلک

چونکہ خدا کے تصور پر قائم ہونے والی ریاست انسان کے لیے ہر قسم کی برکتوں اور نعمتوں کا باعث ہوتی ہے اور غلط اور ناقص تصور پر قائم ہونے والی ریاست اُس کے لیے ہر قسم کی مصیبتوں اور بدبختیوں کا سبب بنتی ہے' اقبال نے بار بار اس بات پر زور دیا ہے کہ ریاست کسی غلط نصب العین پر نہیں بلکہ خدا کے صحیح نصب العین پر قائم ہونی چاہیے۔ سچا حکمران خدا ہی ہے' اُس کے علاوہ جس قدر تصوّرات ریاستوں کی بنیاد بنائے جاتے ہیں وہ جھوٹے خداؤں یا بتوں کی طرح ہیں جن کی طرف ان کے چاہنے والے خدا کی صفات غلط طور پر منسوب کرتے ہیں' تاکہ اُن کی ستائش اور پرستش کرسکیں اور اُن کی ناپاک چوکھٹ پر اپنی عملی سیاسی زندگی کی تقدیس کو قربان کرسکیں۔

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اِک وہی باقی بتانِ آزری

اقبال "الٰہیاتِ اسلامیہ کی تشکیلِ جدید" میں لکھتا ہے:

"ایک سیاسی نظام کے طور پر اسلام سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ توحید کے اصول کو نوعِ انسانی کی عملی اور جذباتی زندگی کے اندر ایک زندہ قوت بنانے کی عملی تدبیر ہے۔ اُس کا مطالبہ یہ ہے کہ خدا کی اطاعت کی جائے' نہ کہ کسی تخت یا تاج کی' اور چونکہ خدا ہی زندگی کی آخری روحانی بنیاد ہے' لہٰذا عملی طور پر خدا کی اطاعت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان خود اپنی ہی فطرت کے بلند ترین تقاضوں کی اطاعت کرتا ہے۔"

© rasailojaraid.co

نظریۂ وطنیت کے خطرناک نتائج

خاص جغرافیائی حدود کے اندر ایک خاص خطۂ زمین یا ملک کے رہنے والے لوگ، جن میں بالعموم ملک کے علاوہ زبان، نسل اور رنگ کا اشتراک بھی موجود ہوتا ہے، اور جو اپنے آپ کو ان اوصاف کے اشتراک کی بنا پر دوسروں سے الگ ایک گروہ یا جماعت تصور کرتے ہیں، ایک قوم کہلاتے ہیں اور وہ خطۂ زمین جس میں وہ رہتے ہیں اُن کا وطن کہلاتا ہے۔ ایسے لوگ اگر انبیاء کی ہدایت کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے خدا کی معرفت اور محبت سے بے نصیب ہوں تو اپنے ان ظاہری مشترک اوصاف کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور اپنی زندگی کے جس مرحلہ پر بھی وہ منظم ہو کر ایک ریاست کی صورت میں آتے ہیں وہ اپنی ریاست کا نصب العین اپنی قومیت یا وطنیت ہی کے تصور کو بناتے ہیں، جس میں وہ اپنی خاص نسل اور زبان اور اپنے خاص رنگ اور جغرافیائی امتیازات کو بھی شامل سمجھتے ہیں۔ اس زمانہ میں خدا کی جگہ لینے والے تمام غلط اور ناقص سیاسی نظریات میں سب سے زیادہ رواج پانے والے اور سب سے زیادہ پست اور رجعت پسندانہ اور نوعِ انسانی کے لیے سب سے زیادہ ضرر رساں نظریات میں سے ایک قومیت یا وطنیت کا نظریہ ہے۔ یہ نوعِ انسانی کی بدقسمتی ہے کہ اس وقت دنیا کی بیشتر ریاستیں اپنی اپنی وطنیت یا قومیت کے نصب العینوں پر قائم ہیں، مثلاً انگریزی قومیت یا وطنیت انگلستانی ریاست کا، فرانسیسی قومیت فرانسیسی ریاست کا، اطالوی قومیت اطالوی ریاست کا، امریکی قومیت امریکی ریاست کا اور ہندوستانی قومیت ہندوستانی ریاست کا نصب العین ہے۔

نظریۂ وطنیت کی بنیاد یہ عقیدہ ہے جو سب سے پہلے عیسائی مغرب کے نام نہاد مہذب لوگوں نے ایجاد کیا تھا اور اب پوری دنیا میں پھیل گیا ہے کہ سیاست کو مذہب سے الگ رہنا چاہیے۔ اقبال اس دور کا پہلا مفکر ہے جس نے بڑی شدت کے ساتھ نظریۂ وطنیت کی بنیاد یعنی مذہب اور سیاست کی دوئی کی مخالفت کی ہے، اُس کے نقصانات کو واضح کیا ہے اور اُس کی نامعقولیت کا پردہ چاک کیا ہے۔ اقبال نے اس بات پر زور دیا ہے کہ دوئی کا اصول نوعِ انسانی کے لیے نہایت خطرناک ہے۔ دوئی ملک اور مذہب دونوں کی ناکامی اور نامرادی کا سبب ہوتی ہے، کیونکہ ایک تو یہ انسانوں

© rasailojaraid.com

کے قومی اور بین الاقوامی اخلاق کو بگاڑتی ہے اور دوسرے وحدتِ انسانیت کو پارہ پارہ کر کے تباہ کن بین الاقوامی جنگوں کا باعث بنتی ہے۔ دورِ حاضر کی علیسائی تہذیب اگر اس کے خطرناک نتائج سے آگاہ نہیں تو یہ اس کا اندھاپن ہے۔ نوعِ انسانی کی حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ روحانیت (جنیدی) اور سلطنت (اردشیری) آپس میں مل جائیں۔

دوئی ملک و دیں کے لیے نامرادی
دوئی چشمِ تہذیب کی نابصیری
اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی
کہ ہوں ایک جُنیدی و اردشیری!

© rasailojaraid.c

نظریہ وطنیت مروجہ علیسائیت کی پیداوار ہے

علیسائیت کے مزاج کی وجہ سے ضروری تھا کہ مغرب کی علیسائی دنیا آخر کار مذہب کو سیاست سے الگ کر دے۔ علیسائیت دنیا کو ترک کرنے، رہبانیت اختیار کرنے اور غاروں میں گھس کر خدا کی عبادت کرنے کی تعلیم دیتی ہے۔ سیاست کے لیے جو بلاشبہ انسان کی قدرتی عملی زندگی کا ایک اہم پہلو ہے، علیسائیت کے نظریہ انسان و کائنات میں یا اُس کے بانی کی عملی زندگی میں کوئی راہ نمائی نہیں ملتی۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ انسان کی پوری عملی زندگی کی راہ نمائی کے لیے اپنی عملی زندگی کو ایک نمونہ کے طور پر پیش کرنے کے لیے نہیں آتے تھے، بلکہ اُن کی تعلیم کا مدّعا یہ تھا کہ بنی اسرائیل کی مذہبی زندگی میں ریاکاری اور نافرمانی کے جو عناصر پیدا ہو گئے ہیں اُن کی بجائے اخلاص اور یقین کے اوصاف پیدا کیے جائیں۔ علیسائیت کے علماء یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کا مشن یہ نہیں تھا کہ وہ اپنی تعلیمات سے کسی قوم کو یا کسی برتر قسم کی قوم کو دنیاوی اور مادی طور پر عظمت سے ہم کنار کریں۔ یہی سبب ہے کہ جب لوگوں نے اُن کو اپنا بادشاہ بنانا چاہا تو وہ پہاڑ پر چڑھ گئے۔ سیاست اور جنگ کے سمیت انسان کی پوری عملی زندگی کی راہ نمائی کے لیے ایک مثال یا نمونہ پیش کرنا رحمۃ للعلمین (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کام تھا جو آپ کے بعد آنے والے تھے۔

© rasailojaraid.c

© rasailojaraid.com

مصلحت در دینِ عیسیٰ غار و کوہ
مصلحت در دینِ ما جنگ و شکوہ

سیاسی زندگی کی مذہبی قیادت کے متعلق عیسائیت کی خاموشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب جدید عیسائی ریاستیں وجود میں آئیں تو وہ اس قابل نہ تھیں کہ ایک سچی عیسائی زندگی کے مذہبی اور سیاسی پہلوؤں کو ایک دوسرے کے ساتھ مدغم کرسکیں۔ کلیسا اور ریاست کے طویل اور تلخ جھگڑوں کے بعد عیسائی دنیا عیسائیت کی تعلیم اور توقع کے عین مطابق اس نتیجہ پر پہنچنے کے لیے مجبور ہوئی کہ سیاست کو مذہب سے کوئی تعلق نہیں اور لہٰذا دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا گیا۔ اس طرح اپنی اصلی حدود کے اندر سکڑ جانے اور انسان کی عملی زندگی کے ایک ضروری شعبہ کو اپنے آپ سے الگ کر دینے سے عیسائیت نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ ترقی یافتہ متمدن دنیا کے لیے قابلِ عمل نہیں۔ سیاست سے ایک دفعہ الگ ہونے کے بعد عیسائیت اس قابل نہ ہوسکتی تھی کہ وہ قوم کی اجتماعی زندگی کے کسی شعبہ کو بھی اپنے تصرف میں رکھ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اب مغرب کی ایک عیسائی ریاست کا وہ نصب العین جو در حقیقت اس کے سارے اعمال و افعال کا محرک ہوتا ہے، عیسائیت کا خدا نہیں بلکہ کسی جغرافیائی، نسلی یا لسانی وطنیت کا تصور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب کی اخلاقی پابندیوں سے رہا ہونے کے بعد یورپ کی ہر ریاست ایک ایسا دیو مہیب بن گئی ہے جس کے پاؤں میں کوئی زنجیر نہیں اور جو اپنی ہوس کو پورا کرنے کے لیے ہر طرف لوٹ کھسوٹ اور مار دھاڑ کرنے کے لیے آزاد ہے۔ عیسائیت کی جن خامیوں کی وجہ سے مغرب کی قومیں مذہب اور سیاست کو ایک دوسرے سے الگ کرنے پر مجبور ہوئی ہیں اسلام ان سے مبرا ہے، کیونکہ بانی اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود ایک ریاست بنائی جو آپ کے بعد بھی موجود رہی اور متمدن دنیا کے بیشتر حصہ پر چھا گئی۔ لہٰذا ہمیں مغربی تہذیب کے اندھا پن سے حصہ لینے کی ضرورت نہیں۔ اقبال نے ان حقائق کو چار شعروں میں بیان کیا ہے

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی
سماتی کہاں اس فقیری میں میری
خصومت تھی سلطانی و راہبی میں
کہ وہ سربلندی ہے یہ سربزیری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیاست نے مذہب سے پیچھا چھڑایا
چلی کچھ نہ پیرِ کلیسا کی پیری
ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی
ہوس کی امیری، ہوس کی وزیری!

سیاست لادین کے تقاضے

سیاست جب دین سے جدا ہو جاتی ہے تو وہ شیطان کی لونڈی بن جاتی ہے، کیونکہ پھر اس کے لیے کوئی اندرونی اخلاقی پابندی یا رکاوٹ باقی نہیں رہتی۔ پھر وہ سوچ ہی نہیں سکتی کہ تہذیب اور شرافت اور انسانیت کے تقاضے کیا ہیں۔ کمینگی اُس کی فطرت بن جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے تھوڑے سے مادی فائدہ کے لیے ہر بڑے سے بڑا ظلم روا رکھتی ہے۔ اس کا ضمیر مردہ ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ دوسری قوموں کو لوٹنے مارنے پر اُسے ملامت نہیں کرتا۔ جب سے اہلِ مغرب کی سیاست کلیسا سے الگ ہوئی ہے وہ کمزور قوموں پر طرح طرح کے مظالم ڈھانے کے لیے آزاد ہے۔ گویا کہ ایک دیوِ مہیب جو پہلے مذہبی اور اخلاقی پابندیوں کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا، تباہی پھیلانے کے لیے آزاد کر دیا گیا ہے۔

مری نگاہ میں ہے یہ سیاستِ لادیں
کنیزِ اہرمن و دُوں نہاد و مُردہ ضمیر
ہوئی ہے ترکِ کلیسا سے حاکمی آزاد
فرنگیوں کی سیاست ہے دیوِ بے زنجیر

جب وطن ایک ریاست کا نصب العین بنتا ہے تو ہر غلط سیاسی نصب العین کی طرح وہ بھی ایک جھوٹے معبود یا بت کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے جس کی پرستش خدا کی بجائے کی جاتی ہے، لیکن چونکہ وطن محض خدا کا پیدا کیا ہوا مٹی اور پتھر کا بنا ہوا ایک خطۂ زمین ہوتا ہے جس میں خدا کی صفات کی کوئی جھلک بھی موجود نہیں ہوتی، لہٰذا وطن پرستوں کو اُسے خدا کے مقام پر کھڑا کرنے کے لیے بڑا تکلف کرنا پڑتا ہے۔ وہ مجبور ہوتے ہیں کہ اپنے جھوٹے معبود کو خدا کی صفات حسن و کمال کا مصنوعی اور فرضی لباس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے ہاتھ سے پہنائیں اور پھر یہ یقین کریں کہ یہ لباس مصنوعی اور فرضی نہیں۔ چنانچہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ معبود اُن کا خالق بھی ہے اور رب بھی ہے اور کوئی عظمت، کوئی زیبائی اور اچھائی ایسی نہیں جو اس میں موجود نہ ہو۔ وہ اُسے مادرِ وطن یا پدرِ وطن کہتے ہیں، اس کے گُن گاتے ہیں، اس کے جھنڈے کے سامنے بڑی عاجزی اور بڑے احترام سے قیام اور رکوع کرتے ہیں، اس کے راہ نماؤں کی تصویروں اور مجسموں اور حنوط کی ہوئی لاشوں کو پوجتے ہیں، درسی کتابوں میں اس کی تعریفیں لکھتے ہیں اور سارے نظامِ تعلیم کی تشکیل اس طرح سے کرتے ہیں کہ طلبا بچپن سے ہی اُس کی محبّت سے مست و مخمور ہو جائیں۔ اس معبود کے پجاری اس کو اپنی ساری زندگی کا مدار و محور بناتے ہیں۔ ان کا ہر کام، ان کا چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا اور جینا مرنا اِسی معبود کے لیے وقف ہوتا ہے۔ اُن کا نظامِ تعلیم ہی نہیں، بلکہ اُن کی جماعتی زندگی کا ہر ایک پہلو اس معبود کی ضروریات کے ماتحت تشکیل پاتا ہے۔ گو وہ خدا کو بھی مانتے ہوں اور کسی نہ کسی مذہب سے بھی اپنا تعلق ظاہر کرتے ہوں، لیکن خدا یا مذہب سے اُن کا تعلق برائے نام اور سطحی ہوتا ہے اور اُن کا اصلی معبود اُن کا وطن ہی ہوتا ہے۔ جب کبھی ایسا موقع پیدا ہو جائے کہ اُن کا مذہب اُن کی وطنیت کے تصور کے ساتھ مزاحمت کر رہا ہو اور مذہب یا خدا اور اُس سے پیدا ہونے والی اخلاقی اقدار (مثلاً، انسانیت، نیکی، عدل، حریت وغیرہ) کے تقاضے اُن کے سیاسی تصوّر کے تقاضوں سے متصادم ہو رہے ہوں تو وہ ہمیشہ خدا، مذہب، انسانیت، نیکی، عدل اور حریت کے تقاضوں کو لات مار کر اپنے سیاسی تصور کا ساتھ دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے لیے اُس کی فطرت کے قوانین کی رُو سے ناممکن ہے کہ وہ بیک وقت دو نصب العینوں سے محبت کرے اور دونوں کو مساوی اہمیت دے۔ اگر وطنیت پرست لوگ مذہب اور اخلاق کو اہمیت دیں تو وہ قوم پرست نہیں بلکہ خدا پرست ہوں گے۔

اس بات کا یقین کرنے کے لیے کہ ایک وطنیت پرست کا، مثلاً ایک فرانسیسی عیسائی کا، اصلی نصب العین عیسائیت نہیں بلکہ فرانسیسی وطنیت ہے، اقبال کی ایک تقریر سے دلچسپ راہ نمائی ملتی ہے "ملتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر" میں اقبال نے کہا تھا:

> "کسی فرانسیسی کے مذہب پر نکتہ چینی کیجیے، وہ بہت ہی کم متاثر ہوگا، اس لیے کہ آپ کی نکتہ چینی نے اس اصول کو مس نہیں کیا جو اس کی قومیت کی روحِ رواں ہے۔ لیکن ذرا اُس کے تمدن، اس کے ملک یا پولیٹیکل سرگرمیوں کے کسی شعبے کے متعلق اس کی قوم کے مجموعی طرزِ عمل یا شعار پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو خُردہ گیری کر دیکھئے، پھر اس کی جبلّی عصبیت کا شعلہ بھڑک نہ اُٹھے تو ہم جانیں۔ بات یہ ہے کہ فرانسیسی کی قومیت کا انحصار اس کے معتقداتِ مذہبی پر نہیں ہے، بلکہ جغرافیائی حدود یعنی اُس کے ملک پر ہے۔ پس جب آپ اس خطۂ زمین پر جسے اُس نے اپنے تخیل میں اپنی قومیت کا اصلی اصول قرار دے رکھا ہے معترض ہوتے ہیں تو آپ اس کی عصبیت کو واجبی طور پر برانگیختہ کرتے ہیں۔

(مقالاتِ اقبال صفحہ ۱۲۱، ۱۲۲)

نفرت کا بیج

وطنیت کے نظریہ میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ چونکہ اس کی بنیاد ایک ایسے ملک کی والہانہ محبت پر ہوتی ہے جو خاص جغرافیائی حدود رکھتا ہے اور جس میں ایک خاص زبان بولنے والے اور ایک خاص نسل اور رنگ اور خاص عادات و رسوم کے لوگ بستے ہیں، یہ ان لوگوں کے اندر باقی ماندہ تمام نوعِ انسانی کے خلاف ایک مستقل اور خطرناک نفرت پیدا کر دیتا ہے۔ اگرچہ ہر قوم نفرت کے اس شرمناک جذبہ کو شیریں الفاظ اور دلکش تصوّرات اور معصومانہ پند و نصائح اور نیکی، عدل، صداقت، انسانیت، شرافت، آزادی، اخوت اور تہذیب ایسی اخلاقی اقدار کی منافقانہ حمایت کے لباس میں چھپا کر رکھتی ہے لیکن دراصل یہی جذبہ ہے جو وطنیت پرست قوموں کو ایک دوسرے کے خلاف جنگ کرنے اور کمزور اور پسماندہ قوموں پر اپنے حقیر مادی فوائد کے لیے طرح طرح کے ننگِ انسانیت مظالم ڈھانے پر اکساتا رہتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ یہ قومیں جھوٹ، فریب، عیاری، مکاری اور بد دیانتی کو سیاست کے ضروری عناصر سمجھتی ہیں، ان کو قابل اور ہوشیار سیاست دانوں کا فنِ لطیف اور کمالِ ہنر شمار کرتی ہیں اور اُسے ڈپلومیسی (DIPLOMACY) اور سٹیٹسمین شپ (STATESMANSHIP) کے بظاہر مہذّب ناموں سے تعبیر کرتی ہیں۔ چونکہ ہر وطنیت پرست قوم دوسری قوموں کے خلاف اپنے مفاد کی حفاظت اور اعانت کے لیے ہی زندہ ہوتی ہے، وہ مجبور ہوتی ہے کہ اس غرض کے لیے دوسری قوموں کے مفاد کو پامال کرتی رہے۔ وہ نظریہ جس نے کلیسا کے زوال کے بعد مغربی اقوام کو بہت زیادہ متاثر کیا یہی نظریۂ وطنیت ہے۔ پھر پہلی جنگِ عظیم کے بعد اشتراکیت نے اس نظریہ کو یورپ کے ایک بہت بڑے حصّہ سے بے دخل کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے اشتراکیت کے خلاف اپنے کو زیادہ محفوظ اور مضبوط کرنے کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جرمنی اور اٹلی میں نازی ازم اور فاشزم ایسے انتہاپسند نظریات کا جامہ اوڑھ لیا۔ جو قوم وطنیت کے نظریہ کو اختیار کر چکی ہو وہ خدا کے عقیدہ سے سرزد ہونے والے صحیح اور عالمگیر ضابطۂ اخلاق کی پابند نہیں رہ سکتی، اس لیے کہ نظریۂ وطنیت کا اپنا ایک ضابطۂ اخلاق ہے، جس میں ریاست کو فروغ دینے والی ہر ایک بداخلاقی اور بے ایمانی روا ہے۔ یورپ اس گھٹیا قسم کے ضابطۂ اخلاق کا پابند ہونے کے بعد اس کے تباہ کن اثرات سے بچ نہ سکتا تھا۔ اور یہ تباہ کن اثرات اب تک دو ایسی عالمگیر جنگوں کی صورت میں رونما ہوئے ہیں جن کی خونریزی تاریخ میں بے مثال ہے۔ اب یہی ضابطۂ اخلاق اس کو تیسری ان سے بھی زیادہ تباہ کن جوہری جنگ کے شعلوں میں دھکیلتا ہوا نظر آتا ہے۔ اقبال نے نظریۂ وطنیت کی ان خوفناک ممکنات کو جان لیا تھا اور پہلے ہی اہلِ یورپ کو آنے والی خونریزی سے باخبر کر دیا تھا۔

شفق نہیں مغربی افق پر، یہ جوئے خوں ہے! یہ جوئے خوں ہے!
طلوعِ فردا کا منتظر رہ کہ دوش و امروز ہے فسانہ!

عبث توقّعات

افسوس ہے کہ نظریۂ وطنیت کے بعض کوتاہ اندیش مشرقی مبلّغین، جو یورپ کی تقلید میں بڑے پُرجوش ہیں، یہ سمجھتے ہیں کہ نظریۂ وطنیت کے جن ہولناک نتائج کا سامنا یورپ کر چکا ہے اور کر رہا ہے وہ ناگزیر نہیں اور ایک قومی ریاست دوسری قومی ریاستوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے اور پوری نوعِ انسانی کے لیے ہمدردی اور خیر سگالی کے جذبات رکھنے کے باوجود ایک قومی ریاست کی حیثیت سے اپنے مفاد کی پوری نگہبانی کر سکتی ہے۔ یہ خیال قطعی طور پر غلط ہے۔ ہر نظریاتی جماعت عمل کے کچھ یقینی رجحانات رکھتی ہے جو اس کے نظریہ کی سرشت کے اندر موجود ہوتے ہیں اور جو اسے ایک خاص طریق پر اور ایک خاص سمت میں عمل کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ ایک خاص نظریۂ حیات سے ایک خاص قسم کے عمل کا ظہور اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ ضروری ہے کہ ہر درخت اپنا ہی پھل لائے۔ ایک قومی ریاست کا وجود قومیت کے نظریہ پر مبنی ہوتا ہے اور اس کا کردار اس وقت تک بدلا نہیں جا سکتا جب تک کہ اس کا نظریہ نہ بدل جائے، کیونکہ قومی ریاست کے وجود کا انحصار اس بات پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتا ہے کہ وہ باقی ماندہ نوعِ بشر سے الگ ایک جماعت ہے اور ہمیشہ اس سے الگ رہے گی۔ لہٰذا ایسی محبت، رواداری، ہمدردی اور خیرسگالی جو اُن کی اپنی جماعت کی حدود سے نکل کر تمام نوعِ انسانی کو اپنے احاطہ میں لے لے اُس کی سرشت میں موجود نہیں ہوتی۔ جب ایک قومی ریاست خدا کی محبت اور خدا کے خوف کی وجہ سے خودغرضی اور خودپروری کو ترک کر کے دوسری ریاستوں کے ساتھ ہمدردی، محبت، نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرنا اپنا اصول بنالے گی تو اُسے بسا اوقات اپنے تنگ نظرانہ قومی مفاد کو اس اصول کی خاطر قربان کرنا پڑے گا۔ گویا یہ اصول اُس کے قومی نظریہ پر حکمران ہو جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ریاست کا نظریہ بدل گیا ہے اور وہ ایک وطن پرست ریاست کی بجائے خدا پرست ریاست بن گئی ہے لیکن اگر وہ اپنے نظریۂ قومیت کے تقاضوں کی وجہ سے یہ اصول اختیار نہ کر سکے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ بدستور ایک قومی ریاست ہے جسے خدا، مذہب، اخلاق اور انسانی ہمدردی سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔

مسلمان فرد کے لیے وطنیت کے نتائج

ایک وطنی لادینی ریاست کے ماتحت کوئی مسلمان پوری طرح سے مسلمان رہ کر زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ جو مسلمان برضا و برغبت ایک لادینی قومی یا وطنی ریاست کا فرد ہو گا کہ اپنی انفرادی عملی زندگی میں یا تو اسلام سے مطلقاً الگ ہو جاتے یا اُس سے فقط برائے نام اور نمائشی تعلق رکھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام فقط نماز، روزہ، کلمہ، حج اور زکوٰۃ کا نام نہیں، بلکہ زندگی کے ہر فعل میں خدا کی رضامندی کو ملحوظ رکھنے کا نام ہے۔ مسلمان کی ساری زندگی ہی عبادت ہے۔ اگر وہ اپنی عملی زندگی کے ایک حصّہ کو جس پر وطنی لادینی ریاست کا کنٹرول ہے خدا کی رضاجوئی کے لیے کام میں نہیں لاسکتا اور اس حالت پر رضامند ہے تو وہ صریحاً خدا کے ساتھ شرک کرتا ہے، کیونکہ اپنی زندگی کے ایک حصّہ کو دیدہ و دانستہ اور اپنی رضامندی کے ساتھ غیر اللہ کے تصرّف میں دیتا ہے اور اس حصّہ کی حد تک غیر اللہ کو اللہ کا مقام دیتا ہے۔ ایسی حالت میں یہ سوال پیدا ہو گا کہ وہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے فرائض اپنے کس خدا کے لیے ادا کرتا ہے اور کس خدا کا کلمہ پڑھتا ہے اور کس کو لاشریک سمجھتا ہے۔ گویا اُسے ارکانِ اسلام کی پابندی نمائش کے سوائے کوئی فائدہ نہ دے گی۔ اسی بنا پر مسلمانوں کو قرآنِ حکیم کی ہدایت یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت میں پوری طرح داخل ہو جاؤ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً (البقرۃ : ۲۰۷)

یہودیوں کی اس حرکت کی مذمت کی گئی کہ وہ خدا کی کتاب کے ایک حصہ پر ایمان لاتے ہیں اور ایک حصّہ کا انکار کرتے ہیں۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (البقرۃ : ۸۵)

اسلام کفر یا لادینیت کے ساتھ سمجھوتہ کر کے خدا تک پہنچنے کا کوئی درمیانی راستہ پیدا نہیں کرتا۔

یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہرِ یک دانہ!
یک رنگی و آزادی اے ہمّتِ مردانہ!

حبّ وطن اور وطنیت میں فرق

اس کھلی ہوئی حقیقت کے مقابلہ میں بعض لوگوں نے "وطن کی محبت ایمان کا ایک جزو ہے"۔ (حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ) کا قول سامنے رکھ کر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ وطن کی محبت ایک فطری چیز ہے لہٰذا یہ اسلام ایسے ایک فطری دین کے خلاف کیسے ہو سکتی ہے؟ یہ خیال اپنی جگہ درست ہے لیکن جو لوگ اس رائے کو وطنیت کے سیاسی عقیدہ کی حمایت میں پیش کرتے ہیں وہ حبّ وطن اور وطنیت کے سیاسی نصب العین میں فرق نہیں کرتے۔ وطن سے محبت کرنا جائز ہے لیکن اس طرح سے نہیں کہ وطن کو ایک معبود یا مقصودِ حیات کا درجہ دے دیا جائے۔ اس سلسلہ میں اقبال لکھتا ہے:

"ہم سب ہندی ہیں اور ہندی کہلاتے ہیں' کیونکہ ہم سب کرۂ ارض کے اُس حصّہ میں بود و باش رکھتے ہیں جو ہند کے نام سے موسوم ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس چینی، عربی، جاپانی، ایرانی وغیرہ۔ وطن کا لفظ جو اس قول میں مستعمل ہوا ہے محض ایک جغرافیائی اصطلاح ہے اور اس حیثیت سے اسلام سے متصادم نہیں ہوتا۔ اس کے حدود آج کچھ ہیں اور کل کچھ۔ کل تک اہلِ برما ہندوستانی تھے اور آج برمی ہیں۔ ان معنوں میں ہر انسان فطری طور پر اپنے جنم بھوم سے محبت رکھتا ہے اور بقدر اپنی بساط کے اس کے لیے قربانی کرنے کو تیار رہتا ہے۔ بعض نادان لوگ اس کی تائید کرتے ہوئے (حُبُّ الوطنِ من الایمان) کا مقولہ حدیث سمجھ کر پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کی ضرورت نہیں کیونکہ وطن کی محبت انسان کا فطری جذبہ ہے' جس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پرورش کے لیے اثرات کی کچھ ضرورت نہیں۔ مگر زمانہ حال کے سیاسی لٹریچر میں وطن کا مفہوم محض جغرافیائی نہیں، بلکہ وطن ایک اصول ہے ہیئتِ اجتماعیہ انسانیہ کا اور اس اعتبار سے ایک سیاسی تصور ہے۔ چونکہ اسلام بھی ہیئتِ اجتماعیہ انسانیہ کا ایک قانون ہے اس لیے جب وطن کو ایک سیاسی تصور کے طور پر استعمال کیا جائے تو وہ اسلام سے متصادم ہوتا ہے۔"

(مقالاتِ اقبال، صفحہ ۲۲۳)

قومیّت کا اسلامی تصوّر

اپنی ایک تقریر میں نظریۂ قومیت کے متعلق اسلام کے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے اقبال کہتا ہے:

"مسلمانوں اور دنیا کی دوسری قوموں میں اصولی فرق یہ ہے کہ قومیت کا اسلامی تصور دوسری اقوام کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔ ہماری قومیت کا اصل اصول نہ اشتراکِ زبان ہے، نہ اشتراکِ وطن، نہ اشتراکِ اغراضِ اقتصادی، بلکہ ہم لوگ اس برادری میں جو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی تھی اس لیے شریک ہیں کہ مظاہرِ کائنات (جن میں انسان بھی شامل ہے۔ مؤلف) کے متعلق ہم سب کے معتقدات کا سرچشمہ ایک ہے (یعنی قرآن حکیم جس کے مطابق مظاہرِ قدرت کا خالق خدا ہے اور انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے خدا کا چاہنے والا ہے۔ مؤلف) اور جو تاریخی روایات ہم سب کو ترکہ میں پہنچتی ہیں وہ بھی ہم سب کے لیے یکساں ہیں۔ اسلام تمام مادی قیود سے بیزاری ظاہر کرتا ہے اور اس کی قومیت کا دار و مدار ایک خاص تہذیبی تصور پر ہے جس کی تجسیمی شکل وہ جماعتِ اشخاص ہے جس میں بڑھتے اور پھیلتے رہنے کی قابلیت طبعاً موجود ہے۔ اسلام کی زندگی کا انحصار کسی خاص قوم کے خصائلِ مخصوصہ اور شمائلِ مختصّہ پر نہیں ہے۔ غرض اسلام زمان و مکان کی قیود سے مبرا ہے ..... لہٰذا کیونکر ممکن تھا کہ وہ قومیت کو کسی خارجی یا حسی اصول مثلاً وطن پر مبنی قرار دینا جائز تصور کرے۔ قومیت کا ملکی تصور، جس پر زمانہ حال میں بہت کچھ حاشیے چڑھائے گئے ہیں، اپنی آستین میں اپنی تباہی کے جراثیم خود پرورش کر رہا ہے [illegible] اس تصور [illegible] کہ اس میں غلو اور افراط کا شاخسانہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نکل آتا ہے۔ اس نے بین الاقوامی نیتوں کے متعلق غلط فہمی پھیلا رکھی ہے۔ اس نے پولیٹیکل سازشوں اور منصوبہ بازیوں کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ اس نے فنونِ لطیفہ اور علومِ ادبیہ کو خاص خاص قوموں کی خصوصیّات کی میراث قرار دے کر عام انسانی عنصر کو اس میں سے نکال دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وطن پرستی کا خیال جو قومیت کے تصور سے پیدا ہوتا ہے، سراسر اصولِ اسلام کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ اسلام دنیا میں ہر طرح کے شرکِ خفی و جلی کا قلع قمع کرنے کے لیے نمودار ہوا تھا۔"

مغربی قومیت کے خطرناک نتائج

افسوس ہے کہ اِس وقت دنیا بھر میں مسلمانوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ نظریۂ قومیت اسلام سے صریحاً مغایرت رکھتا ہے اور مغربی اقوام کی مادّی ترقی سے مرعوب ہو کر اور اُن کی کورانہ تقلید کرتے ہوئے وہ بھی نظریۂ قومیت کو اپنی ریاستوں کی بنیاد بنا رہے ہیں۔ اِس وقت صورت حال یہ ہے کہ اوّل تو ایک ایرانی، مصری، ترکی، عراقی یا شامی مسلمان یہ کہے گا کہ میں پہلے ایرانی، مصری، عراقی، ترکی یا شامی ہوں اور بعد میں مسلمان، لیکن اگر وہ ایسا نہ بھی کہے تو پھر بھی عملی طور پر وہ پہلے ملکی ثابت ہوتا ہے اور بعد میں مسلمان۔ اس ذہنیت کی وجہ سے دوسری نظریاتی قوموں کی طرف سے شدید قسم کے فوجی اور تبلیغی خطرات محسوس کرنے کے باوجود مسلمانانِ عالم آپس میں کوئی مؤثر اتحاد پیدا نہیں کر سکے، کیونکہ اُن کے لیے اس قسم کا مؤثر اتحاد فقط اسلام کی بنیادوں پر ہی ممکن تھا۔ عربوں نے اپنی نسلی قومیت کو ایک نئے مذہب کی شکل دی ہے جسے وہ عروبہ یا عرب ازم کہتے ہیں۔ اور اس طرح سے انہوں نے سچے مذہب اسلام کے بالمقابل غلط ازموں کی تعداد میں ایک اور اِزم کا اضافہ کر دیا ہے۔ عرب ازم کی رُو سے عرب نسلیت وہ "مقدس" جوہر یا اصل ہے جس سے اسلام پیدا ہوا ہے اور اسلام کی اہمیت یہ ہے کہ وہ عرب نسلیت کا ایک ممدّ و معاون تصوّر ہے۔ بعض عرب ممالک میں اس نظریاتی تبدیلی کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ بہت سے لوگ علی الاعلان اسلام سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں اور مارکسی اشتراکیت کو اسلام پر ترجیح دیتے ہیں۔ عربوں کے موجودہ باہمی تفرقوں اور اسرائیل کے مقابلہ میں اُن کی پیہم شکستوں اور ذلتوں کا سبب یہی ہے کہ وہ نسل کو اسلام پر مقدم سمجھتے ہیں۔ اسرائیل کے مقابلہ میں عربوں کی شکست اسلام کی شکست نہیں بلکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عرب نسل پرستی کی شکست ہے جو خود ایک کفر ہے۔ اقبال نے اس صورتِ حال کے پیدا ہونے سے بہت پہلے ڈرایا تھا۔

نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدّم ہو گئی
اُڑ گیا دنیا سے تو مانندِ خاکِ رہگذر!

دشمنانِ اسلام کی حیلہ گری

دراصل اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی دین سے بیگانگی اور وطنیت پرستی یورپ کی استعمار پسند قوموں کی حیلہ گری کا نتیجہ ہے، جنہوں نے اُمتِ مُسلمہ کو ٹکڑوں میں بانٹ کر کمزور کرنے کے لیے ہر طرح سے اس بات کی کوشش کی ہے کہ اُن کے اندر فریب کاری نسلی، قومی اور وطنی عصبیت کا جذبہ پیدا کیا جاتے۔ اس کوشش میں اُن کی ایک بڑی کامیابی یہ تھی کہ انہوں نے عربوں کو عرب نسلیت کے نام پر ترکوں سے لڑایا اور دوسری بڑی کامیابی یہ تھی کہ انہوں نے ترکوں کے ہاتھوں سے ہی ترکوں کی قبائے خلافت کو چاک کروایا۔ ترک محض اپنی سادگی سے اُن کے دام میں پھنس گئے اور اس بات کو ملحوظ نہیں رکھ سکے کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کی سرداری اور سرپرستی کا یہ مقام جو اُن کو مفت میں حاصل ہے ایک ایسا مقام ہے جسے خود یہ قومیں اپنی عیّاری سے اور مسلمانوں کو فریب دے کر حاصل کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہیں۔ اقبال اس پہ افسوس کرتا ہے۔

چاک کر دی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ، اوروں کی عیاری بھی دیکھ!

اقبال عربوں کو تلقین کرتا ہے کہ وہ فرنگیوں کے مکر سے ہوشیار رہیں اور نسل کو دین پر فوقیت دے کر اُن کے دام میں گرفتار نہ ہوں۔

اُمّتے بودی، اُمم گردیدۂ — بزمِ خود را خود زہم پاشیدۂ
ہر کہ از بندِ خودی وارَست، مُرد — ہر کہ با بیگانگاں پیوست، مُرد
آنچہ تو با خویش کردی، کس نکرد — روحِ پاکِ مصطفٰے آمد بدرد!
اے ز افسونِ فرنگی بے خبر — فتنہ ہا در آستینِ او نگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

از فریبِ اُو اگر خواہی اماں
اُشترانش را ز حوضِ خود براں

حکمتش ہر قوم را بے چارہ کرد
وحدتِ اعرابیاں صد پارہ کرد

تا عرب در حلقہ دامش فتاد
آسماں یک دم اماں اُو را نداد

'جاوید نامہ' میں زندہ رود جمال الدین افغانی سے کہتا ہے کہ مسلمانوں میں دین اور وطن کی کش مکش دیکھ رہا ہوں۔ افغانی جواب دیتا ہے کہ مغربی حکمرانوں نے مسلمانوں کو وطنیت کی تعلیم دی ہے تاکہ اُن کی وحدت کو پارہ پارہ کیا جائے۔ مسلمان اگر نیک و بد میں تمیز کریں تو اُس سنگ و خشت کے سلسلہ سے جسے وطن کا نام دیا گیا ہے دل نہ لگائیں۔ دین کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو مادی علائق سے بلند کرے اور خدا سے محبت کرے تاکہ اپنے آپ کو جانے اور پہچانے۔ جس کے دل میں خدا بس جائے اس کا فکر و عمل کسی وطن کے تنگ دائرہ میں محدود نہیں رہ سکتا بلکہ پوری کائنات کا احاطہ کر لیتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اہلِ وطن کو وطن سے نسبت ہوتی ہے لیکن اس نسبت کا مطلب یہ نہیں کہ اُن کی محبت وطن کے تنگ دائرہ کے اندر سکڑ کر رہ جائے۔ آفتاب مشرق سے نکلتا ہے لیکن اُس کی روشنی تمام دنیا پر پھیلی ہوئی ہے۔

لُردِ مغرب آں سراپا مکر و فن
اہلِ دیں را داد تعلیمِ وطن

تو اگر داری تمیزِ خوب و زشت
دل نہ بندی با کلوخ و سنگ و خشت

چیست دیں برخاستن از روئے خاک
تا ز خود آگاہ گردد جانِ پاک!

با وطن اہلِ وطن را نسبتے است
زانکہ از خاکش طلوعِ ملّتے است

گرچہ از مشرق برآید آفتاب
با تجلّی ہائے شوخ و بے حجاب

بر دمد از مشرقِ خود جلوہ مست
تا ہمہ آفاق را آرد بدست

بُت شکنی کی تجدید کی ضرورت

اقبال نظریۂ وطنیت کی طرف مسلمانوں کے موجودہ رجحان کی پوری شدّت سے مخالفت ہی نہیں کرتا بلکہ اُن کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اپنی بُت شکنی کی روایات کو پھر زندہ کر کے اس بُت کو توڑیں اور دنیا بھر میں اس کی پرستش کا خاتمہ کر دیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس دور میں مے اور ہے، جام اور ہے، جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے
غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبوی ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے
نظّارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے

اقبال ایک اور مقام پر اس سے بھی زیادہ زوردار الفاظ میں اس دعوت کا اعادہ کرتا ہے۔

فکرِ انساں بت پرستے بت گرے
ہر زماں در جستجوئے پیکرے
باز طرحِ آزری انداخت است
تازہ تر پروردگارے ساخت است
کاید از خوں ریختن اندر طرب
نام اُو رنگ است وہم ملک و نسب
آدمیت کشتہ شد چوں گوسفند
پیش پائے ایں بتِ ناارجمند
اے کہ خوردستی زمینائے خلیلؑ
گرمیٔ خونت ز صہبائے خلیلؑ
بر سرِ ایں باطلِ حق پیرہن
تیغِ لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا ھُو بزن

امّتِ مسلمہ کی بنیاد دین ہے

مسلمان قوم ایک دینی یا نظریاتی قوم ہے جو مختلف ملکوں، رنگوں، زبانوں اور نسلوں کے لوگوں سے بنی ہے۔ اُن کی وحدت کا دارومدار اُن کے دین پر ہے۔ اور قرآن حکیم میں ہے کہ یہ دین اُن کے باپ حضرت ابراہیمؑ کا دین ہے جنہوں نے اُن کا نام مسلمان رکھا تھا (مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ)۔ گویا مسلمان حضرت ابراہیمؑ کی روحانی اولاد ہیں اور وہ ان کے روحانی باپ ہیں۔ مسلمانوں کی نسل یا اُن کا وطن جس پر اُن کی قومیت کی اساس ہے اُن کا دین ہے، نہ کہ کوئی جسمانی نسلی یا جغرافیائی وطن۔ قوم کی اساس کسی جغرافیائی وطن کو قرار دینا [illegible] نسل پر فخر کرنا، جیسا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمارے عرب بھائی کرتے ہیں، دانائی کی بات نہیں، کیونکہ نسل کا تعلق جسم سے ہے اور جسم فانی ہے ہماری قومیت کی اساس ہمارے دل کے اندر ہمارے مشترک بنیادی عقائد میں چھپی ہوئی ہے۔

ما مسلمانیم و اولادِ خلیل — از 'ابیکم' گیر اگر خواہی دلیل
اصلِ ملت در وطن دیدن کہ چہ — باد و آب و گل پرستیدن کہ چہ
بر نسب نازاں شدن نادانی است — حکمِ اُو اندر تن و تن فانی است
ملتِ ما را اساس دیگر است — ایں اساس اندر دلِ ما مضمر است

موجودہ زمانہ میں نظریہ وطنیت اس قدر رواج پاچکا ہے اور اس کے ماننے والے اپنے اعتقاد میں اس قدر پختہ ہیں کہ اس کا استیصال کرنا اور اس کی جگہ دین کے اعتقاد کو واپس لانا خیبر فتح کرنے سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ لہٰذا اس زمانہ میں ایک ایسے حیدرِ کرار کی ضرورت ہے جو دین و وطن کے اس معرکہ کو سر کر سکے۔

بڑھ کے خیبر سے ہے یہ معرکۂ دین و وطن
اس زمانے میں کوئی حیدرِ کرار بھی ہے

مسلمان کو چاہیے کہ نسل پر فخر نہ کرے بلکہ فقط اپنے مسلمان ہونے پر فخر کرے، جس طرح حضرت سلمان فارسیؓ نے فرمایا تھا کہ میں اسلام کی اولاد ہوں۔

فارغ از باب و ام و اعمام باش
ہمچو سلماں زادۂ اسلام باش،

وہ مسلمان جو اس بات پر فخر کرتا ہے کہ وہ رومی یا افغانی ہے ابھی کیچڑ کی محبت میں گرفتار ہے، حالانکہ ایک مسلمان کی حیثیت سے اُسے چاہیے تھا کہ اپنے آپ کو مادی اور ارضی رشتوں سے آزاد کر کے خدا کی محبت اپنے دل میں بساتا اور اپنی خودی کو پہچانتا۔

ہنوز از بندِ آب و گل نہ رستی
تو گوئی رومی و افغانیم من!

خدا کی محبت ہی انسان بننا سکھاتی ہے۔ کوئی انسان کس رنگ، نسل یا وطن سے تعلق رکھتا ہے، یہ سوال تو بعد میں پیدا ہوتا ہے۔ انسان مطلق یا آدم بے رنگ و بو بننا ہماری پہلی ضرورت ہے جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدا کی محبت کو فروغ دے کر درجۂ کمال پر پہنچانے کے بغیر پوری نہیں ہو سکتی۔

مسلمان کا وطن اسلام ہے

اقبال نے وضاحت کی ہے کہ کیوں مسلمانوں کو چاہیے کہ اسلام ہی کو اپنا وطن سمجھیں۔ وہ کہتا ہے:

"اسلام کی حقیقت ہمارے لیے یہی نہیں کہ وہ ایک مذہب ہے، بلکہ اس سے بہت بڑھ کر ہے۔ اسلام میں قومیت کا مفہوم خصوصیات کے ساتھ چھپا ہوا ہے۔ اور ہماری قومی زندگی کا تصور ہمارا وہ ابدی گھر یا وطن ہے جس میں ہم اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ جو نسبت انگلستان کو انگریزوں سے اور جرمنی کو جرمنوں سے ہے وہ اسلام کو ہم مسلمانوں سے ہے۔ جہاں اسلامی اصول یا ہماری مقدس روایات کی اصطلاح میں خدا کی رسّی ہمارے ہاتھ سے چھوٹی اور ہماری جماعت کا شیرازہ بکھرا"

(مقالات اقبال ص۱۲۴)

اسی مضمون کو اقبال نے مختصر کر کے ایک شعر میں بیان کیا ہے

قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں، تم بھی نہیں
رابطِ باہم جو نہیں، محفلِ انجم بھی نہیں

مسلمان قوم اس لیے پیدا کی گئی ہے کہ نوعِ انسانی میں ہوس کی بجائے خدا کی محبت کو بروئے کار لائے اور ہوس نے جو نوعِ انسانی کے کئی ٹکڑے کر رکھے ہیں ان کو عقیدۂ توحید پر جمع کر کے باہمی اخوت اور محبت کے اوصاف سے بہرہ ور کرے۔ یہی اس کی زندگی کی منزلِ مقصود ہے۔ لیکن اگر وہ خود مختلف قسم کی نسلوں کے تنگ دائروں میں محدود ہو کر رہ جائے تو اپنا یہ رول کیسے ادا کر سکتی ہے۔ اُسے چاہیے کہ ہر نسلی امتیاز کے ساحل سے اچھل کر باہر آئے اور پوری انسانیت کے بحرِ بیکراں سے ہمکنار ہو۔ جب تک اس مرغِ حرم کے پر رنگ و نسب کے غبار سے آلودہ رہیں گے وہ اپنی زندگی کی منزلِ مقصود کی طرف پرواز نہیں کر سکے گا۔ اُسے چاہیے کہ اس غبار کو اپنے پروں سے جھاڑ دے تاکہ بآسانی پرواز کر سکے۔

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو
اخوّت کا بیاں ہو جا، محبّت کی زباں ہو جا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ہندی، وہ خراسانی، یہ افغانی، وہ تورانی
تو اے شرمندۂ ساحل اچھل کر بیکراں ہو جا
غبار آلودۂ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے
تو اے مرغِ حرم اڑنے سے پہلے پرفشاں ہو جا

اسی مضمون کو اقبال نے ایک اور مقام پر اس طرح سے دہرایا ہے۔

یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رمزِ مسلمانی
اخوّت کی جہانگیری، محبّت کی فراوانی!
بتانِ رنگ و بو کو توڑ کر ملّت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی

اقبال کہتا ہے کہ اگرچہ میں خاک کا ایک پُتلا ہوں، لیکن ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے خاکی اور مادّی رشتوں سے بے تعلق ہوں۔ جب درویش صفت انسان کے دل میں خدا کی محبت موجود ہو جاتی ہے وہ کسی خاص مقام کو اپنا وطن نہیں سمجھ سکتا۔ اُسے ہم نہ مشرقی کہہ سکتے ہیں نہ مغربی۔ اور اُس کا گھر کہیں بھی نہیں ہوتا، لیکن اس کے باوجود ہر جگہ ہوتا ہے۔

فطرت نے مجھے بخشے ہیں جوہرِ ملکوتی!
خاکی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں پیوند!
درویشِ خدا مست نہ شرقی ہے، نہ غربی
گھر میرا نہ دلی، نہ صفاہاں، نہ سمرقند!

مسلمان قوم کا دامن وطن کے گرد و غبار سے آلودہ نہیں کیا گیا۔ دنیا کا ہر ملک اس کا وطن ہے۔ وطنیت کے پرستار مٹ جاتے ہیں، لیکن چونکہ مسلمان قوم کی ساری متاع ہی کلمۂ توحید ہے جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے، مسلمان قوم کبھی فنا نہیں ہو سکتی۔

پاک ہے گردِ وطن سے سرِ داماں تیرا
تو وہ یوسف ہے کہ ہر مصر ہے کنعاں تیرا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قافلہ ہو نہ سکے گا کبھی ویراں تیرا
غیر یک بانگِ درا کچھ نہیں ساماں تیرا

مکیاولی کی غلط تعلیم

وطنیت کے مشرکانہ نظریہ کا مبلغ اٹلی کا فلسفی مکیاولی ہے جو فلارنس کا رہنے والا تھا اور جس نے بادشاہوں کی راہ نمائی کے لیے "دی پرنس" نامی کتاب لکھی ہے۔ اس کی تعلیم یہ ہے کہ وطنی اور قومی ریاست کی حفاظت اور ترقی انسان کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ مذہب اور اخلاق اس کے ماتحت اس کے خدمت گزار بن کر رہیں۔ جب ریاست کے مفاد اس بات کا تقاضا کریں تو حکمران کے لیے ضروری ہے کہ دغا، مکر، فریب، جھوٹ اور ظلم سے جس قدر چاہے کام کرے۔ مکیاولی کے نزدیک مذہب کی اہمیت فقط یہ ہے کہ ریاست کے اربابِ اختیار اپنے خیالِ خام کے مطابق ریاست کے استحکام کے لیے جو بداعمالیاں کریں ان کی جذباتی حمایت اُن کو مذہب پر عمل کرنے کے بغیر، بلکہ مذہب کی مؤثر مخالفت کرنے کے باوجود، فقط مذہب کا نام لیتے رہنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ چنانچہ مکیاولی لکھتا ہے:

"ایک عقل مند حکمران کو چاہیے کہ جب دیکھے کہ عہد کی پابندی اُسے نقصان دے گی تو عہد کو توڑ دے..... ضروری نہیں کہ حکمران میں وہ تمام خوبیاں موجود ہوں جن کا ذکر میں نے اُوپر کیا ہے لیکن یہ نہایت ضروری ہے کہ دوسروں کو ایسا ہی نظر آئے کہ اس میں یہ خوبیاں موجود ہیں اور میں یہ کہوں گا کہ ان اوصاف کا مالک ہونا اور انہیں ہمیشہ کام میں لانا ضرر رساں ہے اور اُن کی نمائش کرنا مفید ہے... جب ریاست کے مفاد خطرہ میں ہوں تو پھر اس بات کی پرواہ نہیں کرنا چاہیے کہ انصاف اور ظلم اور رحم اور بے رحمی اور قابلِ ستائش اور شرمناک کے الفاظ کیا معنی رکھتے ہیں۔"

مکیاولی کے ایسے ہی مذموم خیالات کی وجہ سے اقبال اُس کے متعلق لکھتا ہے:

آں فلارنساویِ باطل پرست سرمۂ او دیدۂ مردم شکست
نسخہ بہرِ شہنشاہاں نوشت در دلِ ما دانۂ پیکار کِشت

© rasailojaraid.com

(باقی صفحہ ۳۸ پر)